اردو ناول "کئی چاند تھے سرِ آسماں" میں اسلامی عناصر

Islamic elements in the novel "Kai Chand Thy Sar-e-Aasman

ڈاکٹر محمد رحمان[i] ڈاکٹر مطاہر شاہ[ii] ناہید اختر[iii]

Asbstract

Shams-ur-Rehman Farooqi is a well-known Urdu writer. He is also known as a novelist, short story writer, poet and critic at the same time. In this novel, a complete map of the cultural life of the subcontinent has been drawn. In this novel, Islamic history and civilization have also been included among other factors. In particular, it has a complete map of the Islamic way of life of Muslim characters. This article is written with this theme in mind.

Key Words: Shams Farooqi, Novelist, Islamic Civilization, Muslim Characters

اسلامی تہذیب و روایات اور مذہبی عناصر کسی نہ کسی صورت میں اردو ادب کا حصہ رہی ہیں۔ادبی اصناف میں مذہبی موضوعات سے شعراء اور ادیبوں نے خصوصی شغف کا اظہار کیا ہے۔صوفی شعراء کی وجہ سے اردو شاعری میں اسلامی اقدار کی ترجمانی، تصوف اور روحانیت کو خصوصی توجہ ملی۔تاہم ناول بھی مذہبی عناصر سے دامن نہیں بچا سکا۔ حقیقت نگاری ہو یا تخیلاتی ادب،ادیب کے لیے مذہبی عناصر سے مکمل طور پر پہلو تہی کرنا قدرے محال ہے کیوں کہ ہر معاشرے کے رہن سہن پر مذہبی اثرات کا ہونا لازمی امر ہے۔ادیب چونکہ اپنے معاشرے سے موضوعات لیتا ہے لہٰذا مذہبی عناصر شعوری یا غیر شعوری دباؤ کے تحت اپناتا ہے۔یہی صورتِ حال اردو ناول کی ہے۔کچھ ناول خالص اسلامی تہذیب و تاریخ کو سامنے رکھ کر تخلیق کیے گئے ہیں مثلاً راشد الخیری، عبدالحلیم شرر اور نسیم حجازی کی تخلیقات، کہیں ناول نگار نے نذیر احمد کی طرح اخلاقی اور اصلاحی ناول کے لیے اسلامی اصولوں سے مواد لیا ہے۔اس کے علاوہ کسی بھی موضوع پر ناول تخلیق کرنا ہو مذہبی عناصر کسی نہ کسی صورت میں موجود ہوتے ہیں۔تصوف، نیکی کا تصور، تقدیر، اخلاقیات ،اور شرافت کا معیار وغیرہ ایسے مضامین ہیں جو خالص مذہبی نوعیت کے ہوتے

---

i اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، ہزارہ یونیورسٹی مانسہرہ

ii اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، ہزارہ یونیورسٹی مانسہرہ

iii پی ایچ ڈی ریسرچ سکالر، شعبہ اردو، ہزارہ یونیورسٹی مانسہرہ

ہیں۔اردو ناول کا بڑا سرمایہ تہذیبی، معاشرتی، سماجی، سیاسی، مذہبی اور اخلاقی پہلوؤں سے مزئن ہے لہٰذا یہ بات عیاں ہے کہ اردو ناول کا دامن وسیع تر ہے جس میں سیکولر اور مذہبی دونوں طرح کے خیالات کو سمویا جا سکتا ہے۔

ملے جلے تاثرات سے بھرپور، ہند اسلامی تہذیب کا مرقع اور مختلف تشکیلی عناصر کا حامل اکیسویں صدی کا اہم اردو ناول ''کئی چاند تھے سرِ آسماں'' کا شمار اپنے موضوع اور اسلوب کی وجہ سے اردو ادب کے نمائندہ ناولوں میں ہوتا ہے۔یہ ناول پہلی مرتبہ 2006ء کو منظر عام پر آیا۔ شمس الرحمٰن فاروقی نے اس ناول میں ہندوستان کی ڈیڑھ سو سالہ تہذیبی دور اور سیاسی و معاشرتی اُتار چڑھاؤ کو بیان کیا ہے۔ہند اسلامی تہذیب کے تناظر میں لکھے جانے والے اس ناول میں جہاں ہندوستان پر مسلمانوں کی حکومت کی زوال پزیری اور برطانوی راج کے بیانیے کو تاریخی حقائق کے پس منظر میں بیان کیا گیا ہے وہاں اسلامی روایات کی عکاسی بھی ناول کا اہم موضوع ہے۔''کئی چاند تھے سرِ آسماں'' جہاں دوسری ادبی خوبیوں کی وجہ سے اردو ادب میں اپنا منفرد مقام کا حامل ہے وہاں مذہبی اور اسلامی عناصر سے بھی مزین ہے۔چونکہ یہ ناول ہند اسلامی تہذیب کا مرقع ہے اس لیے ناول میں اسلامی عناصر کا بیان ناگزیر ہے۔

ناول میں عہدِ حاضر کے کرداروں کے تحقیقی کام کی وجہ سے اصل کہانی شروع ہوتی ہے اور قاری کا واسطہ اٹھارویں صدی کی دوسری دہائی یعنی 1719ء کے ایک کردار مخصوص اللہ سے ہوتا ہے۔کہانی کا یہ کردار ایک چتیرا ہے۔رنگوں کا مزاج آشنا اور خیالی شبیہ بنانے والے مخصوص اللہ کی شخصیت میں روحانی رموز و اسرار پوشیدہ ہوتے ہیں۔نیا گاؤں اور نئی طرز کی نقاشی اس کے من کو نہیں بھاتی تو وہ خاموشی کا چادر اُوڑھے تین دن تک گھر میں پڑے رہتے ہیں۔اس دوران اس پر کچھ راز منکشف ہو جاتے ہیں:

> "چوتھی صبح کو مخصوص اللہ خود سے اُٹھ کھڑا ہوا۔ فجر کی اذانیں ابھی نہ ہوئی تھی۔ لیکن میاں نماز کا کچھ خاص پابند بھی نہ تھا۔ کبھی کبھی وہ چرار شریف کے شیخ العالم حضرت نور الدین ولی کی منقبت میں ایک قصیدہ نما گیت ضرور گاتا۔ کبھی کبھی گیت کا رخ ہندالولی کی طرف بھی ہو جاتا۔ کیفیت کے بعض لمحوں میں اس کی آنکھیں ڈبڈبا جاتیں اور اپنے کچھ بچکانے، ملے جلے کشمیری راجستھانی لہجے میں شیخ العالم کو یوں پکارتا، یوں ان سے باتیں کرتا گویا ان کے حضور حاضر ہوا ور شیخ العالم بھی اس کی طرف متوجہ ہوں۔اس صبح کو رات بھر کی جاگی سلیمہ کی آنکھ لگی رہی تھی کہ جیسے کسی نے اسے جھنجھوڑ کر اُٹھا دیا۔ وہ سن سے ہو کر رہ گئی۔ گھر میں ہر طرف عجب طرح کی ہلکی نیلی سبز روشنی تھی اور میاں مخصوص اللہ مصلے پر بیٹھے شیخ العالم پر جان نثار کر رہے تھے[1]۔"

روحانیت میں ڈوبی اس رات مخصوص اللہ اپنے روحانی مرشد شیخ العالم کا اشارہ پا کر بے یار و مدد گار، راستوں سے انجان، اللہ کے بھروسے اپنے مرشد کے مزار شریف کی طرف نکل پڑتا ہے۔ مخصوص اللہ کی روحانی کیفیت اور مضبوط عقیدہ کا اظہار میاں بیوی کے درمیان ہونے والے اس گفتگو سے بخوبی ہوتا ہے:

"جاؤں گا کہاں؟ چرار شریف جاؤں گا، وہا چلہ کھینچوں گا۔ پھر جو ہوگا، ہوگا۔

وہاں کون ساہنر سیکھوگے؟ یہ کیسی بہکی بہکی باتیں کرنے لگے ہو؟

بس یہی تو مجھ میں تجھ میں فرق ہے سلیمہ۔ مجھے چرار شریف کے دربار سے ہی گرمی ابلتی محسوس ہوتی ہے جو ویر ناک کے چشمے پر ٹھنڈی ہو کر جہلم بن جاتی ہے اور سارے کشمیر کو سیر اب کرتی ہے۔ چرار شریف کا بادشاہ میری بھی کھیتی کو اگائے گا، پکائے گا، گرم کرے گا۔ تیرا اور میرا پیٹ بھرے گا۔

"یا شیخ العالم" پکارتا ہوا مخصوص اللہ نقاش چشم زدن میں گھر سے باہر تھا اور ایک ہی دو لمحے میں اس طرح غائب ہو گیا جیسے وہ گوشت پوست کا بنا ہوا آدمی نہیں بلکہ غبار تھا اور وہ گلیاں نہ تھیں، غار تھے[2]۔"

شیخ و مرشد کا اتباع اور ان سے روحانی فیض حاصل کرنا اہلِ تصوف کا طریقہ کار رہا ہے۔ ان صوفیا کرام سے منسوب سلسلے اور ان کے لاکھوں عقیدت مند ہندوستان کی سرمین پر تاحال موجود ہیں۔ ان سلسلوں میں ایک سلسلہ رفاعی بھی ہے جس کا ذکر ناول میں قدرے تفصیل سے ملتا ہے۔ راتب داران رفاعی سلسلے کے کچھ عقیدت مندوں کے بارے میں مشہور تھا کہ جوش عقیدت میں وہ جسمانی مشقت اُٹھانے، دہکتے انگاروں پر چلنے اور خود کو زخمی کرنے جیسے کرتب دکھاتے رہتے۔ شمس الرحمن فاروقی تصوف کی آڑ میں اس طرح کے خلاف شرع امور کی تردید ناول میں یوں کرتے ہیں:

"راتب داران رفاعی کی سنسنی خیز حرکات اور ان سے وابستہ خوارق کی بنا پر رفاعی سلسلے کے بزرگوں کو بڑودہ میں (بلکہ تمام ملک جہاں جہاں وہ تھے) بیحد مقبولیت حاصل تھی۔ لیکن شیخ دین محمد کا خیال تھا کہ شرع دین متین اور طرق بزرگان سلف کی پوری پابندی نہایت ضروری ہے اور ایسے کام جن میں جسم کو تکلیف پہنچانے یا نام و نمود، یا کرتب بازی کا شائبہ بھی ہو انھیں مناسک دین کا مرتبہ دینا یا انھیں طریقیت یا شریعت کے لحاظ سے مناسب جاننا رسول اکرمؐ کی تعلیمات کے خلاف ہے[3]۔"

تصوف اور راہِ حق کے مسافروں کے لیے نبی کریمؐ کی تعلیمات ہی ہدایت کا واحد سرچشمہ ہے لہٰذا وہ تمام امور جو تعلیمات نبویؐ کے خلاف ہو کبھی بھی حق کی تلاش میں معاون نہیں ہو سکتے۔ راہِ سلوک و تصوف کے مسافروں کے علاوہ عام مسلمان کی ایمان کا بنیادی عنصر بھی اتباعِ رسول اور عشقِ رسول ہے۔ نبیؐ کی ذات اقدس ہی کو خدا اور انسان کے مابین ربط قرار دیتے ہوئے محمد شریف بقا تحریر کرتے ہیں۔

"خدا کی تعریف تو کائنات کا ذرہ ذرہ بھی کر رہا ہے لیکن آقائے کائنات کے بندہ خاص اور حبیب حضرت محمدؐ کی تعریف بھی کرنی چاہیے کیوں کہ ان کی وساطت سے ہمیں خدا کا عرفان ملا اور دولتِ ایمانی عطا ہوئی۔ نبی اکرمؐ انسان اور خدا کے مابین ربطِ خاص رکھتے ہیں۔ اگر خدا اور انسان کے درمیان آپؐ کا واسطہ نہ ہوتا تو پھر ہم کس طرح ایمان کی دولت سے مالامال ہو سکتے تھے[4]۔"

ناول ''کئی چاند تھے سرِ آسماں'' کے کردار کئی موقعوں پر رسول اکرمؐ سے والہانہ عشق کا اظہار کرتے نظر آتے ہیں۔ مثلاً ناول کی مرکزی کردار وزیر خانم نعتِ رسول سے سکون قلب پانے اور وارفتگی کی کیفیت سے گزرتی ہوئی یوں نظر آتی ہیں:

"شیخ جانی کی یہ نعت جو حضرت امام ابو حنیفہ کی ایک عربی نعت پر مبنی تھی، اُسے حضور سرور کائناتؐ کی شان محبوبی کا جوہر معلوم ہوتی تھی۔ اسے لگتا تھا کہ سارا عالم، اس کی تکوین اور تخلیق کے سارے اسرار و عوامل، سب چاند ستارے کہکشاں، جنگل پہاڑ دریا، انسان اور جن، میرے آقا و مولیٰ کے عاشق زار ہیں اور جو بھی انھیں چاہے گا اس میں بھی وہی شان محبوبی پیدا ہو جائے گی۔ سارے افلاک اور سارے عوامل عاشق رسولؐ ہیں اور ان میں جو کچھ دلکشی ہے وہ اسی عشق کے پھول ہیں جنہیں گلزار حقیقت نے عالم امکان میں روشن کیا ہے۔ وہ بار بار ان اشعار کو سنتی اور خود بھی انھیں پڑھتی اور ہر بار اس کی آنکھیں بھیگ جاتیں، دل بھر آتا[5]۔"

ناول میں اسلامی تصوف، عشقِ رسول کی تابانیاں اور شریعتِ الٰہی کی عکاسی بارہا نظر آتی ہیں۔ لہٰذا ہند اسلامی بیانیہ ہونے کے بنا پر ناول میں اسلامی عناصر سے صرفِ نظر ممکن نہیں ہے۔ ناول کے مسلمان کردار ہر موقع پر اسلامی تہذیب اور شریعت کے مطابق اعمال کرتے نظر آتے ہیں۔ بوقتِ مصیبت اللہ کی طرف رجوع، آہ وزاری اور دعا کا اہتمام ایک فطری عمل ہے۔

خشوع و خضوع اور دل جمعی سے دعا مانگنا اسلامی طریقہ کار ہے جس کا ذکر قرآن وحدیث میں موجود ہے۔ دعا کے حوالے سے قرآن وحدیث کو نقل کرتے ہوئے ڈاکٹر قاری سید کلیم اللہ حسینی تحریر کرتے ہیں:

"قرآن مجید کا حکم ہے کہ ادْعُواْ رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً[6] یعنی اللہ تعالیٰ سے عاجزی سے گڑگڑا کر اور آہ وزاری کر کے مانگو اور دوسری جگہ فرماتا ہے أَمَّن يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوءَ[7] کون ہے اللہ کے سوا کہ جب انسان بیقرار ہو کر اس کو پکارتا ہے تو دور کر دیتا ہے سختی، اور حدیث شریف میں بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے بہت عاجزی اور انکساری سے کوئی چیز طلب کرو[8]۔"

ناول ''کئی چاند تھے سرِ آسماں'' میں دعا مانگنے اور اللہ کی طرف رجوع کرنے کی متعدد مثالیں موجود ہیں۔ مخصوص اللہ کی دعا مانگنے کے انداز سے اس بات کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ ناول میں جہاں کہیں بھی مشکل وقت آتا ہے تو اس کے کردار اسلامی طریقہ کار کے مطابق دعا کا اہتمام کرتے ہیں:

"بیوی کے دردِ زہ کی اطلاع پا کر مخصوص اللہ سب کام چھوڑ کر گھر کے اندر آ کر مصلے پر بیٹھ گیا۔ اس نے کسی سے کچھ کہا نہیں، نہ اس سے کسی نے کچھ کہا۔ بس جس طرح وہ کسی نوجوان نوآموز قالین باف کو پوری توجہ اور تندہی کے ساتھ کسی پیچیدہ تعلیم کے نکتے سمجھاتا، اسے ایک ایک گرہ سے واقف کراتا، گویا کسی بچے کا ہاتھ پکڑ کر کسی پیچیدہ تعلیم کے نکتے سمجھتا۔۔۔ اسی طرح وہ مصلے پر بیٹھا اپنے اجداد، اپنے روحانی پیشواؤں، خاص کر شیخ العالم اور خواجہ خضر، پھر اپنے نبی کا نام لے لے کر انھیں تصور میں لاتا اور ان سے ملتجی ہوتا کہ میری بیوی کی مشکل آسان کر دیجیے، میرے بچے کی راہ نئی نئی ہے، ذرا اس کا ہاتھ پکڑ لیجیے، وہ ناک نقشے ہاتھ پاؤں کا درست ہو[9]۔"

اسی طرح بچے کی پیدائش کے فوراً بعد بچے کے کان میں اذان دینا اسلامی طرز ہے جس کا اہتمام تمام مسلمان گھرانوں میں ہوتا ہے۔ اس ناول میں مخصوص اللہ کے ہاں بچے کی پیدائش پر یہ رسم یوں ادا کی جاتی ہے:

"میں نے اس کا نام محمد یحییٰ رکھ دیا ہے۔۔۔ بچے کے دائیں کان میں اذان دی، بائیں میں کلمہ شہادت پڑھ کر پھونکا[10]۔"

نوزائیدہ بچے کے کان میں اذان دینے کی یہ اسلامی رسم اپنے اندر گہری معنویت رکھتی ہے۔ یہ صرف ایک رسم ہی نہیں بلکہ نوزائیدہ کو اسلام کے راستے پر گامزن کی کرنے کی پہلی کاوش ہے۔ اس رسم کی معنویت کے بارے میں ڈاکٹر سید عبداللطیف رقم طراز ہیں:

"یہ چھوٹی سی سادہ رسم جو ایک نوزائیدہ بچے کے لیے ادا کی جاتی ہے، حالانکہ اس وقت وہ اپنے گرد و پیش کی کسی چیز سے آشنا نہیں ہوتا، یہ اسلامی تہذیب کی ایک زبردست معنی خیز نشانی ہے اور اس چیز کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ اسے آگے چل کر آزادی اور ''وحدت الحیاۃ'' کی تہذیب کا احترام کرنا اور اسی کی پیروی کرنا ہے[11]۔"

مسلمان بچہ پیدائش کے فوراً بعد اذان کی جو آواز سنتا ہے ہی آواز وہ پوری زندگی دن میں پانچ وقت سنتا رہتا ہے جو کامیابی کی طرف ایک بلاوا ہے۔ مذکورہ ناول میں فجر کے وقت اذان کی پر کیف اور فضاؤں میں بلند ہونے والے مسرور کن صداؤں کا ذکر یوں ملتا ہے:

"شہزادی زینت النسا کے مزار کا مجاور بڑی خوش الحانی سے اذان دیتا تھا، بہت کھلی ہوئی متوازن آواز، بناوٹ یا زور یاد باؤ کی ایک رمق بھی نہیں۔ ابھی وہاں کی اذان ختم نہ ہوئی تھی کہ روشن الدولہ کی مسجد سے اذان کی آوازیں آنے لگی، ذرا مدھم لیکن گونجتی ہوئی، کھرج کے شاہی فرمان کی طرح ہواؤں کے صبا رفتار قاصدوں کے دوش پر رواں دواں تھے۔ پھر دوسری چھوٹی بڑی مسجد سے اذانیں رات کی گھٹتی ہوئی تاریکی میں روشن دھاروں کی طرح پھیلنے لگیں[12]۔"

اذان کی آواز سنتے ہی مسلمان مسجد کی طرف دوڑ لگاتے ہیں جو اللہ کی عبادت کے لیے مخصوص ہے۔ لیکن اسلامی تاریخ میں مسجد صرف نماز کی جگہ نہیں ہے بلکہ اس مسجد نبویؐ میں ریاستِ مدینہ کے تمام اہم امور کی انجام دہی، انتظام اور شوریٰ وغیرہ

کا اہتمام ہوتا تھا۔ لہٰذا اسلامی معاشرے میں مسجد کی اہمیت کئی حوالوں سے مسلم ہے اس لیے مسجد کو جائے پناہ قرار دیا گیا ہے۔ ڈاکٹر خالد علوی کے مطابق:

"مسجد سب سے بڑی پناہ گاہ ہے اور جائے امن ہے۔ مسجدوں کا عبادت گزاروں، ذاکرین اور معتکفین کے لیے کھلا رہنا ہماری تہذیبی شناخت ہے[13]۔"

اسلامی معاشرے میں مسجد کی حیثیت ایک عبادت گاہ کے ساتھ ساتھ جائے پناہ کی بھی ہے۔ دور افتادہ علاقوں میں سفر کے دروان جہاں کوئی دوسری پناہ گاہ نہ ملے تو مسافر اللہ کے گھر کا رخ کرتے ہیں۔ اس لیے مخصوص اللہ جب اپنے نامعلوم منزل کی طرف نکل پڑتا ہے تو کئی دن کی مسافت کے بعد ایک مسجد میں قیام کرتا ہے:

"خدا جانے کئی دن کی مسافت کے بعد بھی میاں مخصوص اللہ اپنی منزل مقصود سے دور بہت دور تھا، لیکن بڈگام کی بڑی مسجد سامنے تھی۔ اس نے مسجد کے وضو خانے میں پیشاب کیا، وضو کیا اور بسم اللہ کہہ کر مسجد کے صحن کی ٹھنڈک میں جا بیٹھا۔ لوگ آئے گئے۔ بعض لوگ آئے تو دیر تک ٹھہرے رہے۔ کوئی قرآن پڑھتا رہا، کوئی نعت گنگناتا رہا، بہت سے لوگ تو مسجد کی بخاری کے پاس منڈ کری ما کر پڑے رہے کہ اگلی اذان پر ہی اٹھیں گے۔ عشا کی اذان و نماز کے بعد بھی مخصوص اللہ اپنی جگہ سے نہ اٹھا[14]۔"

ناول میں اسلامی روایات، رسم و رواج اور ارکانِ اسلام کی مختلف پہلوؤں کا بیان اس ناول کو اسلامی تہذیب کا نمائندہ ناول ٹھہراتا ہے۔ فرد کی انفرادی تربیت، ضبطِ نفس اور تعمیرِ سیرت کے لیے رمضان کے روزے ہر بالغ مسلمان پر فرض کیے گیے ہیں۔ روزہ اسلام کا اہم رکن ہے اس لیے پورے دنیا میں مسلمان رمضان کا احترام اور بہ قدرِ استطاعت اس کا اہتمام کرتے ہیں۔ اس ماہ مبارک میں تمام عبادات کا خصوصی اہتمام کیا جاتا ہے لیکن نمازِ تراویح ایک ایسی انمول عبادت ہے جو صرف اسی مہینے میں ادا کی جاسکتی ہے۔ شمس الرحمٰن فاروقی اپنے ناول ''کئی چاند تھے سرِ آسماں'' میں رمضان سے منسلک اس سنتِ رسول کو بیان کرتے ہوئے اسلامی معاشرے میں اس کی اہمیت اور قدر و منزلت کی عکاسی کرتے ہیں:

"وزیر اگر دھیان سے سنتی تو سنہری مسجد کے قاری صاحب کی خوش الحان تراویح سن سکتی تھی۔ وزیر اس بات کا خاص اہتمام رکھتی تھی کہ تراویح کے وقت گھر میں حتی الامکان کوئی اور کام نہ کیا جائے اور سب لوگ سنہری مسجد کی طرف متوجہ ہو جائیں۔ اور لوگ نہ سہی لیکن وزیر بہر حال میاں جعفر حسین کی قرأت پر کان لگائے رکھتی تھی۔ قاری صاحب ٹھہر ٹھہر کر نہایت میٹھی آواز میں پوری تجوید کے ساتھ لیکن بناوٹ سے بالکل عاری لہجے میں سوا ڈیڑھ پارے سناتے تھے اور ان کی آواز وزیر کے کلیجے میں اترتی جاتی تھی[15]۔"

ناول کا مرکزی کردار وزیر خانم اپنی شوخ طبعی کے باوجود مذہبی امور و عبادات سے خصوصی شغف رکھتی ہے۔ جس کا اندازہ مذہبی رسومات کے بھرپور اہتمام سے لگایا جا سکتا ہے جو اسلامی معاشرے اور مسلمانوں کے لیے ناگزیر عمل ہے۔اسلامی رویات کی پاسداری اور رسومات کا ذکر ناول میں محرم الحرام کے حوالے سے بھی ملتا ہے۔

محرم الحرام کو تمام مسلمان بلا تفریق مذہبی جوش و جذبے سے مناتے ہیں۔امام حسین کی شہادت نے عالم اسلام میں دکھ والم کی لہر دوڑا دی۔اس سانحے کی یادگار ہر قوم و ملک میں اپنی طرز پر منائی جاتی ہے۔ہندوستان میں عزاداری کی رسم پر مقامی رنگ کی چھاپ کے حوالے سے امام مرتضیٰ نقوی لکھتے ہیں:

"عزاداری کے سلسلے میں بھی ہر ملک کی مختلف رسمیں نظر آتی ہیں۔ ایران والے کسی اور طرح سے مناتے ہیں ۔ہندوستان والے دوسری طرح۔ان رسموں میں مقامی رنگ زیادہ کارفرما نظر آتا ہے۔ہندوستان کی عزاداری پر یہاں کے رسم و رواج کی بہت بڑی چھاپ ہے۔اس کے علاوہ ہندوستان کی ہی مختلف شہروں میں مختلف قسم کے طور طریقے اختیار کر لئے گئے ہیں[16]۔"

اٹھارویں صدی عیسوی کی ہندوستانی تہذیب میں جلوس عزاداری اور ماتم کا نقشہ ''کئی چاند تھے سرِ آسماں میں" یوں کھنچتے ہیں:

"عورتوں کے سانولے چہروں پر رنج و اضمحلال کی سیاہی تھی اور ان کی نگاہیں زمین کو تک رہی تھیں۔مردوں کے چہرے کسی تاثر سے بظاہر عاری تھے۔اچانک کہیں اندر سے ''واحسیناہ'' کی پکار اُٹھی اور یحییٰ کو ایسا لگا جیسے کوئی جلوس اندر سے باہر آ رہا ہو، لیکن کوئی باہر نہ آیا۔۔ہاں ایک لحظہ بعد کہیں باہر سے ایک ایسے بزرگ سرنگوں آہستہ قدم آئے جن کی چال ڈھال، چہرہ بشرہ، قماش لباس، سب ان لوگوں سے بالکل مختلف تھے جو صحن میں مجتمع تھے۔۔۔بس مجمع کی طرف رخ کیا اور عجیب سی سنسناتی ہوئی آواز میں رباعی پڑھی۔لگتا تھا درد بھری پکار پر سسکی غالب آ رہی ہے، یا حلق و سینہ میں سسکی کو دبا کر وہ درد بھری پکار زمین کی حدوں کو چھوڑ کر آسمان سے ٹکرانا چاہتی ہو[17]۔"

ناول میں میں ماتمی جلوس کے دوران نوحہ پڑھتے وقت رقت آمیز منظر اور سینہ کوبی کا حال یوں بیان کرتے ہیں:

"جب پورا نوحہ اسی طرح دوبارہ پڑھا جا چکا تو ننگے سروں والے ننھے بچے،امام حسین کے پائک گریباں چاک سرا خانے سے ''حسن حسین، حسن حسین، حسن حسین'' کہتے ہوئے اور اپنے سر و سینہ پر ہاتھوں سے ضرب لگاتے ہوئے برآمد ہوئے۔عورتوں نے بچوں کو گھیرے میں لے لیا اور ان کے سر پر ہاتھ پھیرتی ہوئی رو رو کر کہنے لگیں''کشتہ شد حسین ہائے، کشتہ شد حسین۔بچوں کے ماتم کے ساتھ ساتھ مرد بھی اپنے سینوں پر ضرب لگانے لگے[18]۔"

شمس الرحمٰن فاروقی جس طرح محرالحرام کا اہتمام، ماتمی جلوسوں کا انداز اور نوحہ خوانی کے مناظر پیش کرتے ہیں وہ خالص ہند اسلامی تہذیب کا رنگ لیے ہوئے ہیں جس میں مسلم و غیر مسلم بلا تفریق شرکت کرتے اور مذہبی رواداری کا ثبوت دیتے نظر آتے ہیں۔

مذہبی رسومات و عبادات کے علاوہ ممنوعہ چیزوں سے اجتناب اور کراہت کا اظہار بھی اس ناول میں اسلامی اصولوں کے تناظر میں ملتا ہے۔ جیسے کہ شراب نوشی اور لحمِ خنزیر کی ممانعت اسلام میں ہوئی ہے۔ حرام و حلال میں تمیز کرنا اور حرام سے اجتناب کرنا اسلامی تعلیمات کی روح ہے۔ تاہم انیسویں صدی کی ہند اسلامی تہذیب کے تناظر میں جہاں ہندو مسلمان ایک ساتھ رہتے تھے وہاں انگریزوں کی رسم و رواج اور کھانے پینے کی طور طریقے بھی ہندوستان کی معاشرت کو متاثر کر رہے تھے۔ ایسے مخلوط معاشرتی نظام میں بھی مسلمانانِ ہند کھانے پینے کے معاملے میں اسلامی اصولوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے حرام چیزوں سے اجتناب برتتے۔ ناول ''کئی چاند تھے سرِ آسماں'' میں شراب و سؤر جیسے حرام چیزوں سے کراہت و نفرت کا اظہار وزیر خانم کے اس رویے سے بخوبی ظاہر ہوتا ہے:

"ضیافت کے انتظام میں شراب اکثر شامل ہوتی، اور یہ بھی اس کے لیے نامانوس اور کراہت انگیز شے تھی۔۔۔ اسی طرح اسے شبہ تھا کہ اس کی آمد کے قبل گھر میں لحم خوک بھی آتا ہو گا، لہٰذا مارسٹن بلیک سے پوچھے بغیر اس نے پہلے ہی دن سارے برتن منجھوا اور دھلوا کر ان پر آبِ زم زم کا چھڑکاؤ کیا جس کی ایک کپی وہ اپنے ساتھ بطورِ خاص لیتی گئی تھی، اور مارسٹن بلیک سے کہہ دیا کہ اب اس گھر میں موئے ناپاک بنڈیلے کا نام بھی لیا گیا تو میں زہر کھالوں گی[19]۔"

انگریز آفسر کے ساتھ رہتے ہوئے وزیر خانم کا شراب کی بوتل کو چھونے تک سے گریز اور لحمِ ناپاک پر مکمل پابندی اس بات کا ثبوت ہے کہ انیسویں صدی میں ہندوستان پر انگریزوں کے بڑھتے ہوئے اثر و رسوخ کے باوجود مسلمانانِ ہند اسلامی روایات کی پاسداری کرتے رہے۔ حرام و مکروہات سے پرہیز اور مذہبی لگاؤ مسلمانوں کی روحِ ایمانی ہے۔ ناول ''کئی چاند تھے سرِ آسماں'' میں ایسے مذہبی حوالے پائے جاتے ہیں جو مسلمانوں کی مذہبی رجحانات کے نمائندگی کرتے ہیں۔ ڈاکٹر رشید اشرف کے مطابق:

"فاروقی نے شعوری طور پر اس ناول میں مذہبی حوالوں کا التزام رکھا ہے[20]۔"

شمس الرحمٰن فاروقی اس ناول میں مذہبی حوالوں کا التزام کر کے مسلمانوں کی معاشرتی و اخلاقی تربیت کے ڈھانچے کی عناصر تشکیلی کو وزیر خانم کی بڑی بہن کی عادات و اطوار اور اخلاقی رویے کے پس منظر میں یوں بیان کرتے ہیں:

"بڑی بیگم کو ایان صباہی سے اللہ رسول سے بے حد لگاؤ تھا، سات برس کے سن سے اس کی نماز قضا نہ ہوئی، نو سال کی ہوئی تو پابندی سے روزے رکھنے لگی۔ کلام مجید کی کئی سورتیں، بہت سے حدیث پاک، قصص الانبیا کے کتنے ہی اجزا، سب از بر تھا۔ پردے کی سخت پابند، کھیل تماشوں سے اسے کچھ لگاؤ نہ تھا یہاں تک کہ بسنت بہار بھی نہ دیکھتی[21]۔"

اخلاقی تربیت میں مذہبی اصولوں کی کارفرمائی کے علاوہ اس ناول میں مذہبی لگاؤ کی عکاسی اس بات بھی بخوبی ہو جاتی ہے کہ غیر

مسلموں کی ہاتھوں پھانسی چڑھنے والے نواب شمس الدین احمد خاں کی آخری خواہش یہی ہوتی ہے کہ اس کی آخری رسومات مسلمانوں کے ہاتھوں ادا ہو اور اس کی ڈھیر کو مسلمانوں کی ہاتھوں کی مٹی نصیب ہو:

> "تختۂ دار پر چڑھنے سے پہلے شمس الدین احمد نے کلمۂ توحید اور پھر کلمۂ شہادت پڑھا۔ انھوں نے جلادوں سے ان کی سرگوشی کے لہجے میں ان کی ذات اور مذہب پوچھا۔ جواب سن کر جو اسی طرح زیرِ لب دیا گیا تھا، نواب شمس الدین احمد نے آہستہ سے خود کلامی کے لہجہ میں کہا، اللہ جانے میرے ڈھیر کو مسلمان کے ہاتھ کی مٹی نصیب ہو گی کہ نہیں۔ اس لیے میں خود ہی اپنی مٹی کی دعا پڑھ لو[22]۔"

خلاصہ بحث

ناول ''کئی چاند تھے سرِ آسماں'' اردو ادب کا ایک طویل ناول ہے جو ہندوستان کی زوال آمادہ تہذیب کا المیہ اور نوارد ہند یورپی تہذیب کا آئینہ دار ہے۔ اس ناول میں شمس الرحمٰن فاروقی انیسویں صدی کی تہذیبی عناصر کو قدرے تفصیل سے پیش کرتے ہیں اور ہندوستان میں مسلمانوں کی رسم و رواج اور طرزِ زندگی کا تا حدِ ممکن احاطہ کرتے نظر آتے ہیں۔ اسلامی عناصر کی عکاسی، دینی رسومات اور مذہبی حوالوں پر سیر حاصل بحث اس ناول کی اہم خوبی شمار کی جاسکتی ہے۔

حواشی و حوالہ جات

1 شمس الرحمٰن فاروقی، کئی چاند تھے سرِ آسماں (انڈیا: پینگوئن بکس، 2006ء) ص: 74

2 نفس مصدر: 75

3 کئی چاند تھے سرِ آسماں: 743

4 محمد شریف بقا، اقبال اور تصوف (لاہور: جنگ پبلیشرز، ستمبر 1991ء) ص: 141

5 کئی چاند تھے سرِ آسماں: 414-415

6 سورۃ الاعراف 7: 55

7 سورۃ النمل 27: 62

8 ڈاکٹر قاری سید کلیم اللہ حسینی، اسلامی اخلاق کے چند پہلو (حیدر آباد: قرآن و سیرت سوسائٹی (س۔ن) ص: 73

9 کئی چاند تھے سرِ آسماں: 87

10 نفس مصدر: 89

11 ڈاکٹر سید عبد اللطیف، ہندوستان میں اسلامی تہذیب (دکن: مجلس تہذیب اسلامی، 1937ء) ص: 24

12 کئی چاند تھے سرِ آسماں: 354

13 ڈاکٹر خالد علوی، اسلام کا معاشرتی نظام (لاہور: الفیصل ناشران، 2009ء) ص: 367

14 کئی چاند تھے سرِ آسماں: 77

15 نفس مصدر: 417

16 امام مرتضیٰ نقوی، ہندوستانی اسلامی تہوار (لکھنؤ: نسیم بک ڈپو، 1970ء) ص: 29

17 کئی چاند تھے سرِ آسماں: 103

18 نفس مصدر: 105

19 کئی چاند تھے سرِ آسماں: 179

20 ڈاکٹر رشید اشرف خان، کئی چاند تھے سرِ آسماں، ایک تجزیاتی مطالعہ (نئی دہلی: براؤن بک پبلیکشنز، 2017ء) ص: 147

21 کئی چاند تھے سرِ آسماں: 165

22 نفس مصدر: 538